JIBAS (The International Journal of Islamic Business, Administration and Social Sciences) (Quarterly) Trilingual (Arabic, English, Urdu)
ISSN: APPLIED FOR (P) & (E)
Home Page: http://jibas.org
Approved by HEC in Y Category
Indexing: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, Euro pub.
PUBLISHER HABIBIA RESEARCH ACADEMY
Project of **JAMIA HABIBIA INTERNATIONAL,** Reg. No: KAR No. 2287 Societies Registration Act XXI of 1860 Govt. of Sindh, Pakistan.
Website: www.habibia.edu.pk,
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

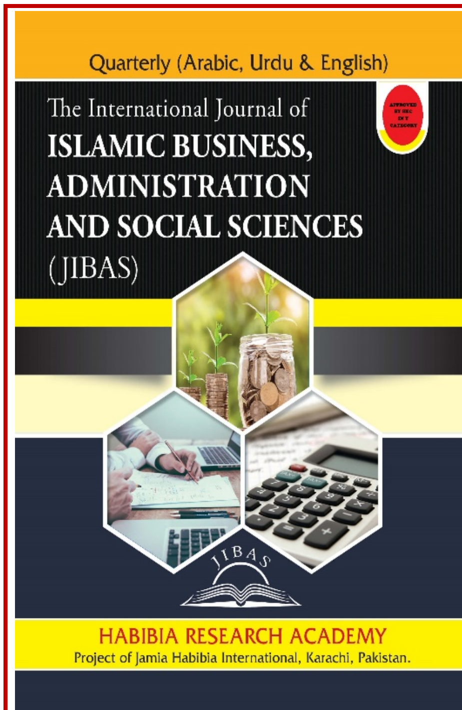

TOPIC:

ISLAMIC PHILOSOPHY OF ECONOMICS IN THE EYES OF LATE DR. MAHMOUD AHMAD GHAZI

معاشیات کا اسلامی فلسفہ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی نظر میں

AUTHORS:

1. *Munib Siddiqui, Research officer JDUI, Lahore Pakistan Director International Halal Inspection and Certification (IHIC) Lahore, Pakistan Email: siddiquimunib@gmail.com Orcid ID: https://orcid.org/0000-0002-5114-144X*
2. *Dr. Zain- ul-Abdin Arijo, Assistant Professor, Shah Abdul Latif University, Kairpur, Email: zain.arijo@salu.edu.pk Orcid ID: https://orcid.org/0000-0002-3694-2329*
3. *Dr. Sadaf Fatima, Asst. Professor, Department of Urdu, University of Karachi. Email: Dr.Sadaffatima@hotmail.com , Orcid ID: https://orcid.org/0000-0002-0557-2644*

How to Cite: *siddiqui, munib, Zain- ul-Abdin Arijo, and Sadaf Fatima. 2021. "URDU 5 ISLAMIC PHILOSOPHY OF ECONOMICS IN THE EYES OF LATE DR. MAHMOUD AHMAD GHAZI: معاشیات کا اسلامی فلسفہ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی نظر میں". International Journal of Islamic Business, Administration and Social Sciences (JIBAS) 1 (3):67-84.*
. https://doi.org/10.47720/jibas.2021.0503u06.
URL: https://jibas.org/index.php/jibas/article/view/12.
Vol. 1, No.3 || July –september2021 || P. 67-84
Published online: 2021-09-30

QR. Code

ISLAMIC PHILOSOPHY OF ECONOMICS IN THE EYES OF LATE DR. MAHMOUD AHMAD GHAZI

معاشیات کا اسلامی فلسفہ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کی نظر میں

Munib Siddiqui, Zain- ul-Abdin Arijo, Sadaf Fatima

ABSTRACT:

It is a well-established fact that the times are moving, evolving and life is influenced by changes and developments and needs new issues and demands, new questions and their satisfying answers. On the other hand, Islam is the last religion of God Almighty. It is the only religion that fulfills the needs of all times, opposes changes and revolutions, and guides not only the Muslim Ummah but also the human race. Two centuries ago, society gave birth to many modern problems that continued to grow and reach their peak at a young age. The need for a leader has arisen, the need and importance of divine teachings and the usefulness and effectiveness of divine revelation have once again begun to attract the human race. There is a need to explore these modern issues that are growing up in the society in the light of lazy celestial sciences and to solve the complexities of this field, which is a contentious issue, which can be solved by a person, who spent his life in constant study and teaching, which is not only available in the higher sciences, but also in the second sciences. Now, where will such a person come from in this tempting age? The personality of the late Dr. Mahmood Ahmad Ghazi holds a prominent place in this category, who sheds light on Islamic teachings in every sphere of life, from beliefs, worship to political and cultural concepts, and then to modern economics and commerce. Understanding the requirements of modern times and solving the complexities of science well. When we talk about economy and trade, Dr. Sahib's speeches and writings often show the color of the intellectual movement of Hazrat Shah Waliullah Muhaddith Dahlavi and Imam Ghazali. The activities of economics are related to the worldly life of man, and there is no doubt that man cannot be free from affiliation with this field, because man is not just the name of the soul, but the soul with the body. It is said that the body needs many things. In the context of Islam, the discussion on economic activities can be divided into two parts. The status of worldly struggle is to succeed in the Hereafter, which is the real goal. Therefore, when it comes to economic activities, they will be as good as they will be in achieving the real goal. The second part deals with the legitimacy and non-legitimacy of the issues that have to be dealt with in daily life, whether the works are out of scope and what can be done with the protection of boundaries. This article will examine the reality of modern economics and the Islamic system of finance and economy in the light of Dr. Mahmood Ghazi's scholarly and intellectual tendencies and speeches, and will try to find an answer to the question that Dr. Ghazi's scientific and research endeavors. To what extent can it be a beacon for the next generation? And what links can future researchers make to solve the complexities?

KEYWORDS: *Modern issues, Economics, Legitimacy, Islamic teachings, Tempting age,*

خلاصہ: یہ تو مسلم و مستحکم حقیقت ہے کہ زمانہ رواں دواں، تغیر و ترقی پذیر ہے اور زندگی تغیرات و ترقیات سے اثر قبول کرنے والی اور نئے نئے مسائل و مطالبات، نئے سوالات اور ان کی تشفی بخش جوابات کی منتظر و محتاج ہے۔ دوسری طرف دین اسلام اللہ تعالی کا آخری دین، ہر زمانے کی ضرورت کو پورا کرنے والا، تغیرات و انقلابات کا مقابلہ کرنے والا اور نہ صرف مسلم امہ بلکہ نسل انسانی کی راہنمائی کرنے والا واحد دین ہے۔ اب سے دو صدیاں قبل معاشرے نے بہت سے جدید مسائل کو جنم دیا جو پروان چڑھتے رہے اور آج جوان ہو کر اپنے نقطہ عروج پر

پہنچ گئے، آج جب ان مسائل نے انسانی فکر کی بنیاد پر اور معاشرے کی تمدنی عمارت پر ضرب لگانی شروع کی تو محققین کو راہنما و راہبر کی ضرورت پیش آئی، آسمانی تعلیمات کی ضرورت واہمیت اور وحی الٰہی کی افادیت و تاثیر ایک بار پھر نسل انسانی کو اپنی طرف متوجہ کرتی نظر آنے لگی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے میں پروان چڑھتے ان جدید مسائل کا حل آسمانی علوم کی روشنی میں تلاش کیا جائے اور اس میدان کی پیچیدگیوں کو رفع کیا جائے، جو ایک معرکۃ الآراء مسئلہ ہے، اس کا حل ایک ایسا شخص دے سکتا ہے جس کی زندگی کے لیل و نہار اور حیات مستعار مسلسل مطالعہ اور درس و تدریس میں گزری ہو، جس کو نہ صرف علوم عالیہ پر دسترس ہو بلکہ علوم آلیہ میں اپنا ثانی نہ رکھتا ہو اور ان علوم کے ساتھ ائمہ کی اس سنت کا بھی عامل ہو کہ بازار کی جدید شکلوں کو خوب جانتا ہو۔ اب اس پر فتن دور میں ایسا شخص کہاں سے آئے گا؟ مگر زمانہ قریب کی طرف نظر دوڑائیں تو ایک شخصیت ایسی ملتی ہے جو اپنی دیگر خوبیوں کے ساتھ اس میدان میں بھی اپنے معاصرین سے بہت ممتاز نظر آتی ہے اور انکی علمی کاوشیں نئی نسل کے لئے یقیناسنگ میل اور مشعل راہ ثابت ہوں گی۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی مرحوم کی شخصیت اس زمرہ میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے، جس نے اسلام میں عقائد، عبادات سے لیکر سیاسی و تہذیبی تصورات اور پھر جدید معیشت و تجارت تک ہر ایک شعبہ زندگی پر اسلامی تعلیمات کی روشنی ڈالی، اپنے اکابر کے طرز کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ جدید وقت کے تقاضوں کو بخوبی سمجھ کر علوم کی پیچیدگیوں کو بخوبی حل کیا۔ جب ہم معیشت و تجارت کی بات کرتے ہیں تو ڈاکٹر صاحب کی تقریر و تحریر میں اکثر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ اور امام غزالیؒ کی علمی و فکری تحریک کا رنگ نظر آتا ہے۔

جن سر گرمیوں کا عنوان معاشیات ہے ان کا تعلق انسان کی دنیاوی زندگی سے ہے، اور اس میں شک نہیں کہ انسان بہر حال اس شعبہ کے ساتھ وابستگی سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، کیونکہ انسان صرف روح کا نام نہیں بلکہ روح مع الجسد کو انسان کہا جاتا ہے اور جسم بہت ساری چیزوں کا محتاج ہے۔ دین اسلام کے تناظر میں معاشی سر گرمیوں کے حوالے سے گفتگو کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک یہ کہ دنیا کی زندگی جس طرح فانی و عارضی ہے اسی طرح انسان کے مقاصد زندگی کے سامنے دنیاوی زندگی کے تحفظ و بقاء کا ساز و سامان اور اس کے جدوجہد کی حیثیت بھی عارضی و فانی ہے، اللہ تعالی کی رضاء وآخرت کی کامیابی ہی مقصود اصلی ہے لہذا جب معاشی سر گرمیوں کی بات ہو گی تو وہ اسی حد تک احسن ہوں گی جس حد تک وہ معاون ہوں گی مقصود اصلی کے حصول میں۔ دوسرا حصہ ان معاملات کے جواز و عدم جواز پر مشتمل ہے جن کا سامنا روزمرہ زندگی میں کرنا پڑتا ہے، کہ کیا کام دائرہ کار سے خارج ہیں اور کونسے کام حدود کی حفاظت کے ساتھ کیے جا سکتے ہیں۔

اس مقالہ میں ڈاکٹر محمود غازیؒ کے علمی و فکری رجحانات اور تقریر و تحریر کی روشنی میں جدید معاشیات کی حقیقت اور اسلام کا دیا گیا نظام مالیت و معیشت کا جائزہ لیا جائے گا، اور اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ ڈاکٹر غازیؒ کی علمی و تحقیقی کاوشیں آنے والی نئی نسل کے لیے کس حد تک مشعل راہ و سنگ میل بن سکتی ہیں؟ اور آنے والے محققین اس سلسلہ کی کن کڑیوں کو جوڑ کر پیچیدگیوں کو حل کر سکتے ہیں۔

معاشیات کسے کہتے ہیں: معاشیات یا اقتصادیات (Economics) معاشرتی علوم (Social Sciences) کی ایک شاخ ہے جس میں قلیل مادی وسائل و پیداوار کی تقسیم اور انکی طلب و رسد کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ عربی اور فارسی میں رائج اصطلاح اقتصادیات اردو میں اصطلاح معاشیات استعمال ہوتی ہے۔

معاشیات کی ایک جامع تعریف جوروبنز (Lionel Robbins) نے دی تھی کچھ یوں ہے کہ "معاشیات ایک ایسا علم ہے جس میں ہم انسانی رویہ کا مطالعہ کرتے ہیں جب اسے لا محدود خواہشات اور ان کے مقابلے میں محدود ذرائع کا سامنا کرنا پڑے۔ جبکہ ان محدود ذرائع کے متنوع استعمال ہوں"۔ ([1])

نظام معیشت: معاشیات آج ایک جدید معاشرتی علم بن چکا ہے جس میں نہ صرف انسانی معاشی رویہ بلکہ مجموعی طور پر معاشرہ اور ممالک کے معاشی رویہ اور انسانی زندگی اور اس کی معاشی ترقی سے متعلق تمام امور کا احاطہ کیا جاتا ہے اور اس میں مستقبل کی منصوبہ بندی اور انسانی فلاح جیسے مضامین بھی شامل ہیں جن کا احاطہ پہلے نہیں کیا جاتا تھا۔ معاشیات سے بہت سے نئے مضامین جنم لے چکے ہیں جنہوں نے اب اپنی علاحدہ حیثیت اختیار کر لی ہے جیسے مالیات، تجارت اور نظامت ۔ معاشیات کی بہت سی شاخیں ہیں مگر مجموعی طور پر انہیں جزیاتی معاشیات (Microeconomics) اور کلیاتی معاشیات (Macroeconomics) میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔([2])

جاگیر دارانہ نظام معیشت: قرون اسطی یا عہد متوسط میں جس نظام نے عوام کو ناکوں چنے چبوائے وہ تھا جاگیر دارانہ نظام معیشت۔ اس پورے عہد میں یورپ کی معاشی زندگی پر جاگیداری نظام مسلط رہا صنعت و تجارت کالعدوم تھی، لہذا زندگی کا مکمل انحصار زرعی پیداوار پر تھا، صنعت سے تو لوگوں کو خود ہی کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی، اور تجارتی کاروبار کی تمام راہیں بند کر دی گئیں تھیں، ان راہوں کے مسدود ہو جانے کے دو بنیادی اسباب تھے۔ پہلے تو مسئلہ یہ تھا کہ مذہبی و سیاسی قوت عیسائی کیتھولک مذہب کے پاس تھی اور وہ تجارت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے لہذا تجارت پر اور تاجروں پر اس قدر پابندیاں عائد ہوتی تھیں کے کاروبار کرنا یا زیادہ دیر چلانا قریب قریب ناممکن تھا۔ دوسرا سبب کسی حد تک یہ بھی تھا کہ براعظم ایک دوسرے سے کٹے ہوئے تھے اور مابین الممالک تجارتی تعلقات قائم کرنا ناممکن تو نہیں مگر بہت دشوار تھا۔([3])

جاگیر دارانہ نظام نے غریب کی کمر توڑ دی تھی زمیندار و جاگیر دار تھوڑی تھوڑی زمین کسانوں کو کاشت کے لئے دیتے اور اسکے عوض انہیں نہایت قلیل حصہ پیداوار سے دیا جاتا اور ستم در ستم یہ کہ پھر اس حصہ میں سے مزید لگان و محصولات بھی وصول کئے جاتے۔ مختصر یہ کہ جاگیر دار ہی آقا ہوتا جاگیر دار ہی مالک ہوتا جاگیر دار ہی سرکار ہوتا اور سب فیصلے وہی اپنی مرضی سے کرتا، کاشتکار کی کوئی زندگی نہ رہی۔

اہم نکات:

1۔ زمیندار اور جاگیر دار تھوڑی تھوڑی زمین کسانوں کو کاشت کے لئے دیتے تھے اور ان سے جو پیداوار حاصل ہوتی اسکا ایک خاص حصہ جاگیر دار کو اور ایک خاص حصہ کلیسا کو دے کر جو کچھ بچ دیتا وہ کسان کی ملکیت ہوتا تھا۔

2۔ زمین ایک مرتبہ کاشتکار کے حوالہ کر دینے کے بعد زمیندار واپس نہیں لے سکتا تھااسی طرح خود کاشتکار بھی اس زمین کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا تھا۔

3۔ اگر جاگیر دار کی جنگ میں قید ہو جائے تو کاشتکار کا فرض تھا کہ وہ اپنے کا فدیہ ادا کر کے اسے چھڑاءے۔

4۔ اگر آقا کی لڑکی کی شادی ہو تو جہیز کا بڑا حصہ کاشتکار کے ذمہ تھا کہ وہ فراہم کرے۔

5۔ جب آقا کا بڑا لڑکا سردار بنایا جاتا تو اس کی تقریب کے اخراجات بھی کاشتکاروں سے وصول کیئے جاتے تھے۔

6۔ یورپ کے بعض علاقوں مثلاً روس کے کاشتکار اپنے آقائی مرضی کے بغیر شادی بھی نہیں کر سکتے تھے۔

7۔ نظری طور پر پورے ملک کی زمین بادشاہ کی لکیت سمجھی جاتی تھی اور کسی کو زمین کا مالک نہیں سمجھا جاتا تھا۔(4)

سرمایہ دارانہ نظام معیشت(Capitalism): اٹھارویں صدی عیسوی میں صنعتی انقلاب آیااور دنیا بھر میں عجیب و غریب ایجادات کا سلسلہ بام عروج کو پہنچاان ایجادات نے انسان کی زندگی کا نقشہ ہی بدل دیا۔ بھاپ اور بجلی سے کام کرنے والی صنعت و حرفت اور زراعت و مواصلات میں زبردست تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ دستکاریوں کے بجائے اب مل اور کارخانوں کا دور دورہ تھا، جہاں بے شمار انسانوں کی کھپت ہونے لگی اور گاؤں دیہات سے لوگ شہروں کا رخ کرنے لگے، اس طرح قصبات بڑے بڑے شہروں میں بدل گئے۔

مگر خالص مادی ولادینی بنیادوں پر حاصل ہونے والی ترقی آگے چل کر کتنی بڑی مشکل بننے والی تھی اس کا کسی کو اندازہ نہ تھا۔ اس صنعتی ترقی نے عیارانہ نظام سرمایہ داری کو جنم دیا، اور اس نظام کے بے رحم جال میں پھنسنے کے بعد اب انسان کے لئے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا کہ جاگیر داری نظام کی چکی زیادہ تکلیف دہ تھی یا سرمایہ دارانہ نظام کی چکی۔(5)

صنعتی انقلاب اور اسکی پیداوار یعنی سود، سٹے، اور قمار وغیرہ کے ذریعہ چند سرمایہ دار اور مہاجن سانپ بن کر پورے معاشی نظام پر بیٹھ گئے ارو معیشت کو مکمل طور پر مفلوج کر دیا۔ درحقیقت سرمایہ دارانہ نظام کا فلسفہ یہ تھا کہ معاشی مسائل کو حل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان کو تجارتی و صنعتی سرگرمیوں کے لئے مکمل طور پر آزاد چھوڑ دیا جائے اور اسے یہ چھوٹ دی جائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کے لئے جو طریقہ مناسب سمجھے اختیار کر لے، نہ کسی قسم کی کوئی قانونی پابندی ہو نہ مذہبی نہ اخلاقی۔

نتیجتانہ قیمتوں پر کوئی قابو رہانہ طلب و رسد کے کسی قانون کی کوئی حیثیت رہی اور جن لوگوں نے سرمایہ داری کی انہوں نے دل کھول کر لوٹ مچائی، دولت چند ہاتھوں تک محدود ہو کر رہ گئی غریب مزید غریب ہو گیا اور امیر کے گھر دولت کی ریل پیل ہو گئی۔(6)

نظام سرمایہ داری کے اثرات: اس نظام کے اثرات جو ملک و قوم پر پڑے ہیں انکا سرسری خاکہ یہ ہے۔

1۔ مذہب کو نظام سیاست و معیشت سے خالی ہاتھ کر کے گرجاؤں، مسجدوں اور خانقاہوں میں گوشہ نشین کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ ناجائز نفع اندوزی میں رکاوٹ نہ بن سکے۔

2۔ اس نظام میں تجارت وصنعت اور دولت کی گردش ہو، سٹہ، قمار اور آڑھت کی بنیادوں پر ہوتی ہے ان چار چیزوں کے منطقی نتیجے کے طور پر پورے منلک کے وسائل پیداوار اور دولت کے تمام خزانے چند ساہو کاروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھ میں سمٹ کر جمع ہو جاتے ہیں۔

3۔ بڑے سرمایہ دار چھوٹے تاجروں کو اس قابل نہیں چھوڑتے کہ وہ اپنے کاروبار کو ترقی دے سکیں یا باقی رکھ سکیں۔ بالآخر چھوٹے تاجر اور چھوٹے کارخانے یا تو روز بروز ختم ہوتے جاتے ہیں یا بڑے سرمایہ داروں کی تجارتی پالیسیوں کے تابع محض ہو کر زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

4۔ غریب کی غربت اور سرمایہ داری دولت روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے اور متوسط طبقہ روز بروز کم اور بے دست و پاس ہوتا چلا جاتا ہے۔ معیارِ زندگی اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ متوسط طبقے کے لوگ اسکا ساتھ دینے پر مجبور ہونے کے باوجود اسکا ساتھ نہیں دیتے جس سے اُن گنت معاشرتی الجھنیں پیدا ہو کر معاشرے کو گھن لگ جاتا ہے۔

5۔ گھریلو صنعتوں اور دستکاریوں سے تیار ہونے والا مال میلوں کی پیداوار کا مقابلہ ہیں کر سکتا اس کے سامنے گھریلو صنعتیں اور دستکاریاں دم توڑ دیتی ہیں اور دست کار رہتا آزاد پیشہ چھوڑ کر مزدوری و ملازمت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔(7)

اشتراکی نظام معیشت(Socialism): سوشلزم کے لغوی معنیٰ ''اجتماعیت'' اور صطلاحی معنیٰ ''اشتراکیت'' ہیں ''لفظ'' انفرادیت کی ضد ہے، انفرادیت مطلب پر تھا کہ غریبی سب کچھ ہے جماعت کچھ نہیں لہٰذا حکومت کو یہ حق نہیں، پہنچتا کہ وہ فرد کے معاشی معاملات میں دخل اندازی کرے۔

اور اشتراکیت کا حاصل یہ ہے کہ جماعت ہی سب کچھ ہے فرد کچھ نہیں لہٰذا حکومت تمام وسائل پیداوار کی مالک ہے اور وہی تمام زرعی اور صنعتی پالیسیاں بنانے اور نافذ کرنے کی مجاز ہے۔ وہی افراد کے پیشے متعین کرنے کا ح اٹھتی ہے۔ انفرادی طور پر کوءی شخص کسی ذریعہ پیداوار کا مالک نہیں ہو سکتا۔ حکومت اس کے لئے جو پیشہ، ڈیوٹی، اور اُجرت مقرر کردے فرد پر اس کی تعمیل واجب ہے۔

سوشلزم اور کمیونزم ایک ہی فلسفہ کے دو درجے ہیں، کمیونزم سوشلٹوں کا منتہاءے مقصود ہے اور سوشلزم اسی راستے کی ایک منزل، بس اس سے زیادہ کوئی فرق ان دونوں میں نہیں۔ اس لئے ان دونوں اصطلاحوں کو بکثرت ایک دوسرے کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے اسی فرق کو ہم موقع ہوا تو آگے کسی جگہ بیان کریں گے۔(8)

سوشلزم اور کیپٹل ازم کی قدر مشترک: قرون وسطیٰ کے تاریخی حالات سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آچکی ہے کہ یورپ میں جو فلسفہ اور مادّیت اور انکار خدا و آخرت ہمہ گیر لوفان آیا در حقیقت اس کی ساری ذمہ داری اس نام نہاد عیسایت پر عائد ہوتی ہے جیسے یورپ اور پادریوں نے اپنی ناپاک اعراض کی تکمیل کے لئے سادہ لورح عوام پر مسلط کیا تھا۔ یہ خود ساختہ مذہب، جمہود، اوہام پرستی اور عقل دشمنی کا ایسا گھناؤنا مرکب تھا کہ جن لوگوں نے اس کے علاوہ کوئی دین حق اور دین سماوی دیکھا ہی نہیں تھا وہ سرے سے پر دین سے بیزار ہو گئے اور یہ خیال پورے پورے یورپ میں عام ہو گیا کہ نہ خدا کا کوئی حقیقی وجود ہے اور نہ کوئی مذہب کی ایسی چیز ہے جو انسان کی دنیاوی ترقی کو برداشت

کر سکے۔ جولوگ کسی درجے میں مذہب کے قائل رہ گئے تھے ان کے نزدیک بھی یہ بات مسلم تھی کہ مذہب اور دنیاوی کاروبار دو الگ الگ چیزیں ہیں ترقی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک سیاست و معیشت اور دیگر دنیاوی کاروبار کو پورے طور پر مذہب سے آزاد نہ کر دیا جاءے۔ یہی وہ اصل الاصول تھا جس پر پہلے نظام سرمایہ داری) کیپٹیل ازم (کی عمارت تعمیر ہوئی اور اب اس اصول پر اشتراکیت) سوشلزم (کا صور پھونکا جارہا تھا۔ بس اتنے فرق کے ساتھ کہ نظام سرمایہ داری خدا و مذہب کا منکر تھا اور سوشلزم منکر بھی ہے اور دشمنی بھی۔ سوشلزم کی ساری قسمیں باوجود اپنے اختلافات کے اس اصول پر متفق ہیں۔(9)

اسلام میں معیشت و تجارت کے احکام: سرمایہ داری اور اشتراکیت کے مختصر تعارف کے بعد اب میں مختصراً یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ معیشت کے جو چار بنیادی مسائل بیان کئے گئے ہیں، ان کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟ یہ بات پہلے ہی قدم پر واضح رہنی چاہیئے کہ اسلام کوئی معاشی نظام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک دین ہے، جس کے احکام ہر شعبۂ زندگی سے متعلق ہیں، جس میں معیشت بھی داخل ہے۔ لہٰذا قرآن و حدیث نے معروف معنوں میں کوئی معاشی فلسفہ یا نظریہ پیش نہیں کیا، جس کو موجودہ دور کی معاشی اصطلاحات میں تعبیر کیا گیا ہو۔ لہٰذا ترجیحات کا تعین وسائل کی تخصیص، آمدنی کی تقسیم اور ترقی کے عنوان سے قرآن و سنت یا اسلامی فقہ میں براہِ راست کوئی بحث موجود نہیں ہے لیکن زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اسلام نے معیشت کے بارے میں بھی کچھ احکام دیئے ہیں ان احکام کے مجموعی مطالعے سے ہم یہ مستنبط کر سکتے ہیں کہ مذکورہ چار مسائل کے سلسلے میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ اور اسی مطالعے اور استنباط کا حاصل اس وقت پیش کرنا مقصود ہے۔

اسلام کے معاشی احکام اور تعلیمات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام نے بازار کی قوتوں یعنی رسد و طلب کے قوانین کو تسلیم کیا ہے اور وہ معیشت کے مسائل کے حل کے لئے ان کے استعمال کا فی الجملہ حامی ہے، چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

چۋۋووۋۋېېېىئائائەئەئوچ(10)

''ہم نے ان کے درمیان معیشت کو تقسیم کیا ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر درجات میں فوقیت دی ہے تاکہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لے سکے''

ظاہر ہے کہ ایک دوسرے سے کام اس طرح لیا جائے گا کہ کام لینے والا کام کی طلب اور کام دینے والا کام کی رسد ہے۔ اس طلب و رسد کی باہمی کشمکش اور باہمی امتزاج سے ایک متوازن معیشت وجود میں آتی ہے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جب دیہاتی اپنی زرعی پیداوار شہر میں فروخت کرنے کے لئے لاتا تو بعض شہری لوگ اس دیہاتی سے کہتے کہ تم اپنا مال خود لے جا کر شہر میں مت بیچو، بلکہ یہ سامان مجھے دیدو، میں مناسب وقت پر اس کو فروخت کروں گا، تاکہ اس کی قیمت زیادہ ملے۔ آنحضرت ﷺ نے شہریوں کو ایسا کرنے سے روکا اور اس کے ساتھ ہی یہ جملہ ارشاد فرمایا: ((دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقُ الله بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ))(11) ''لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے رزق عطا فرمائے''

اس طرح آنحضرت ﷺ نے بیچنے اور خریدنے والے کے درمیان تیسرے شخص کی مداخلت کو اس لئے مسترد فرمادیا تاکہ بازار میں طلب ورسد کا صحیح توازن قائم ہو۔ ظاہر ہے کہ دیہاتی جب براہ راست بازار میں کوئی چیز فروخت کرے گا تو اپنا مناسب نفع رکھ کر ہی فروخت کرے گا۔ لیکن اسے چونکہ جلدی واپس جانا ہے، اس لئے اس کے پاس ذخیرہ اندوزی کی گنجائش نہیں اور خود اس کے بازار میں پہنچنے کی صورت میں طلب ورسد کا ایسا متزاج ہوگا جو صحیح قیمت متعین کرنے میں مدد دے گا۔ اس کے برخلاف اگر کوئی تیسرا آدمی ان دونوں کے درمیان آجائے اور مال کی ذخیرہ اندوزی کر کے اس کی مصنوعی قلت پیدا کرے تو وہ طلب ورسد کے قدرتی نظام میں بگاڑ پیدا کرے گا۔ لہٰذا اس حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے طلب ورسد کے قدرتی نظام کو تسلیم فرمایا اور اس کو باقی رکھنے کی کوشش فرمائی۔

اسی طرح جب آپ سے یہ درخواست کی گئی کہ آپ بازار میں فروخت ہونے والی اشیاء کی قیمتیں سرکاری طور پر متعین فرمادیں تو اس موقع پر بھی حضور اقدس ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔((إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقِ))([12])"بیشک اللہ تعالیٰ ہی قیمت متعین کرنے والے ہیں۔ وہی چیزوں کی رسد میں کمی کرنے والے اور زیادتی کرنے والے ہیں اور وہی رازق ہیں"

اللہ تعالیٰ کو قیمت مقرر کرنے والا قرار دینے کا واضح مطلب اس حدیث کے سیاق میں یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے طلب ورسد کے فطری اصول مقرر فرمائے ہیں جن سے قیمتیں فطری طور پر متعین ہوتی ہیں اور اس فطری نظام کو چھوڑ کر مصنوعی طور سے قیمتوں کا تعین پسندیدہ نہیں۔

قرآن وسنت کے ان ارشادات سے یہ بات واضہ ہوتیہے کہ اسلام نے بازار کی قوتوں یعنی طلب ورسد کے قوانین کو فی الجملہ تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح ذاتی منافع کے محرک سے بھی فی الجملہ کام لیا ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں اس محرک کو بالکل آزاد چھوڑ دیا گیا، جس کے نتیجے میں وہ خرابیاں پیدا ہوءیں جن کا ذکر پیچھے کیا گیا۔ اسلام نے ذاتی منافع کے محرک کو برقرار رکھتے ہوئے اور رسد وطلب کے قوانین کو تسلیم کرتے ہوئے تجارتی اور معاشی سرگرمیوں پر کچھ ایسی پابندیاں عائد کردیں کہ ان پر عمل کی صورت میں ذاتی منافع کا محرک ایسے غلط رخ پر نہیں چل سکتا جو معیشت کو غیر متوازن کرے یا اس سے دوسری اخلاقی یا اجتماعی خرابیاں پیدا ہوں۔ اسلام نے ذاتی منافع کے محرک پر جو پابندیاں عائد کی ہیں، انہیں تین قسموں پر منقسم کیا جاسکتا ہے۔

(ا) خدائی پابندی: سب سے پہلے تو اسلام نے معاشی سرگرمیوں پر حلال و حرام کی کچھ ایسی ابدی پابندیاں عائد کی ہیں جو ہر زمانے میں اور ہر جگہ نافذ العمل ہیں، مثلاً سود، قمار، سٹہ، اکتناز، احتکار، یعنی ذخیرہ اندوزی اور دوسری تمام بیوع باطلہ کو کلی طور پر ناجائز قرار دیدیا، کیونکہ یہ چیزیں عموماً اجارہ داریوں کے قیام کا ذریعہ بنتی ہیں اور ان سے معیشت میں ناہمواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح ان تمام چیزون کی پیداوار اور خرید و فروخت کو حرام قرار دیا جن سے معاشرہ کسی بداخلاقی کا شکار ہو، اور جس میں لوگوں کے سفلی جذبات بھڑکا کر ناجائز طریقے سے آمدنی حاصل کرنے کا راستہ پیدا کیا جائے۔

یہاں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ یہ خدائی پابندیاں قرآن وسنت کے ذریعہ عائد کی گئی ہیں انہیں اسلام نے انسان کی ذاتی عقل پر نہیں چھوڑا کہ اگر اس کی عقل مناسب سمجھے تو یہ پابندی عائد کردے اور اگر مناسب نہ سمجھے تو عائد نہ کرے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کی اچھائی یا برائی کا فیصلہ کرنے کے لئے بسا اوقات انسانون کی عقلوں میں تفاوت اور اختلاف ہوتا ہے۔ ایک انسان کی عقل ایک چیز کو اچھا اور دوسرے انسان کی عقل اس کو برا سمجھ سکتی ہے، لہٰذا اگر ان پابندیوں کو بھی محض عقل انسانی کے حوالے کیا جاتا تو اس بات کا امکان تھا کہ لوگ ان پابندیوں کو اپنی عقل کی روشنی میں نامناسب قرار دیکر معاشرے کو ان سے آزاد کر دیتے اور چونکہ اللہ تبارک وتعالٰی کے علم میں یہ پابندیاں ہر زمانے اور ہر جگہ کے لئے ضروری تھیں اس لئے ان کو وحی کے ذریعہ ابدی حیثیت دی گئی، تاکہ انسان اپنی عقلی تاویلات کے سارے ان سے چھٹکارا حاصل کر کے معیشت اور معاشرے کو ناہمواریوں میں مبتلا نہ کر سکے۔

یہیں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ خدائی پابندیاں جو قرآن وسنت نے عائد کی ہیں، بہر صورت واجب العمل ہیں۔ خواہ انسان کو ان کی عقلی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا، موجودہ دور میں بیشتر سرمایہ دار ممالک بھی ذاتی منافع کے محرک پر کچھ نہ کچھ پابندیاں ضرور عائد کرتے ہیں لیکن وہ پابندیاں چونکہ وحی الٰہی سے مستفید نہیں ہوتیں۔ اس لئے وہ متوازن معیشت کے قیام کے لئے کافی نہیں ہوتیں۔ چنانچہ ان سرمایہ دار ملکوں میں کہیں بھی سود، قمار، اور سٹہ وغیرہ پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی، جو معاشی ناہمواریوں کا بہت بڑا سبب ہیں۔

۲۔ ریاستی پابندیاں: مذکورہ خدائی پابندیاں تو ابدی نوعیت کی تھیں۔ انہی کے ساتھ اسلامی شریعت نے حکومت وقت کو یہ اختیار بھی دیا ہے کہ وہ کسی عمومی مصلحت کے تحت کسی ایسی چیز یا ایسے فعل پر بھی پابندی عائد کر سکتی ہے، جو بذات خود حرام نہیں، بلکہ مباحات کے دائرے میں آتی ہے، لیکن اس سے کوئی اجتماعی خرابی لازم آتی ہے۔ یہ پابندی ابدی نوعیت کی نہیں ہوتی، جو ہر زمانے میں اور ہر جگہ نافذ العمل ہو۔ بلکہ اس کی حیثیت وقتی حکم کی ہوتی ہے، جو ہر زمانے میں اور ہر جگہ نافذ العمل ہو۔ بلکہ اس کی حیثیت وقتی حکم کی ہوتی ہے، جو وقتی مصلحت کے تابع ہوتا ہے۔ اس کی سادہ سی مثال یہ ہے کہ فقہاء کرام نے لکا ہے کہ جب ہیضہ کی وبا پھوٹ رہی ہو تو حکومت یہ پابندی لگا سکتی ہے کہ خربوزے کی خرید وفروخت اور اسکا کھانا ممنوع ہے۔ جب تک حکومت کی طرف سے عائد کردہ یہ پابندی باقی رہے اس وقت تک خربوزہ کھانا اور اس کا بیچنا شرعاً بھی ناجائز ہو جائے گا۔ اسی طرح اصول فقہ میں ''سدِّ ذرائع'' کے نام سے ایک مستقل باب ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک کام فی نفسہ جائز ہو لیکن اس کی کثرت کسی معصیت یا مفسدے کا سبب بن رہی ہو تو حکومت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اس جائز کام کو بھی ممنوع قرار دیدے۔

اس صول کے تحت حکومت تمام معاشی سرگرمیوں کی نگرانی کر سکتی ہے اور جن سرگرمیوں سے معیشت میں ناہمواری پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، ان پر مناسب پابندی عائد کر سکتی ہے۔ کنز العمال میں روایت منقول ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ ایک مرتبہ بازار میں آئے تو دیکھا کہ کہ ایک

شخص کوئی چیز اس کے معروف نرخ سے بہت کم داموں میں فروخت کر رہا ہے آپ نے اس سے فرمایا کہ :((إِمَّا أَنْ تَزِيدَ فِي السِّعْرِ وَإِمَّا أَنْ تَرْفَعَ مِنْ سُوقِنَا))[13] "یا تو دام میں اضافہ کرو، ورنہ ہمارے بازار سے اٹھ جاؤ"

روایت میں یہ بات واضح نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کس وجہ سے اس پر پابندی لگائی۔ ہو سکتا ہے کہ وجہ یہ ہو کہ وہ متوازن قیمت سے بہت کم قیمت لگا کر دوسرے تاجروں کے لئے جائز نفع کا راستہ بند کر رہا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ پابندی کی وجہ یہ ہو کہ کم قیمت پر مہیا ہونے کی صورت میں لوگ اسے ضرورت سے زیادہ خرید رہے ہوں، جس سے اسراف کا دروازہ کھلتا ہو، یا لوگوں کے لئے ذخیرہ اندوزی کی گنجائش نکلتی ہو۔ بہر صورت قابل غور بات یہ ہے کہ اصل شرعی حکم یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ملکیت کی چیز جس دام پر چاہے فروخت کر سکتا ہے۔ لہٰذا کم قیمت پر بیچنا فی نفسہ جائز تھا، لیکن کسی اجتماعی مصلحت کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے اس پر پابندی عائد کی۔

اس قسم کی ریاستی پابندیوں کے واجب التعمیل ہونے کا ماخذ قرآن کریم کا یہ اشارہ ہے:

چ ئۆ ئۈ ئۈ ئې ئې ئې ئى ئى ی ی ی چ [14]

"اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اور اپنے میں سے بااختیار لوگوں کی اطاعت کرو"

اس آیت میں "اولی الامر" (بااختیار افراد) کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت سے الگ کر کے ذکر کیا گیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جن چیزوں میں قرآن و سنت نے کوئی معیّن حکم نہیں دیا ان میں اولی الامر کے احکام واجب التعمیل ہیں۔

یہاں یہ بات واضح رہنا ضروری ہے کہ حکومت کو مباحات پر پابندی عائد کرنے کا یہ اختیار غیر محدود نہیں ہے بلکہ اس کے بھی کچھ اصول وضوابط ہیں۔ جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، لیکن دو باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ حکومت کا وہی حکم واجب التعمیل ہے جو قرآن و سنت کے کسی حکم سے متصادم نہ ہو اور دوسرے یہ کہ حکومت کو اس قسم کی پابندی عائد کرنے کا اختیار صرف اس وقت ملتا ہے جب کوئی اجتماعی مصلحت اس کی داعی ہو۔ چنانچہ ایک مشہور فقہی قاعدے میں اس بات کو اس طرح تعبیر کیا گیا ہے کہ:

تصرف الامام بالرعية منوط بالمصلحة "عوام پر حکومت کے اختیارات مصلحت کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں"

لہٰذا اگر کوئی حکومت کسی اجتماعی مصلحت کے بغیر کوئی پابندی عائد کرے تو یہ پابندی جائز نہیں، اور قاضی کی عدالت سے اسکو منسوخ کرایا جا سکتا ہے۔

۳۔اخلاقی پابندیاں: جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا کہ اسلام ٹھیٹ معنوں میں کسی معاشی نظام کا نام نہیں بلکہ ایک دین کا نام ہے۔ اس دین کی تعلیمات اور احکام زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح معیشت سے بھی متعلق ضرور ہیں۔ لیکن اس دین کی تعلیمات میں یہ بات قدم قدم پر واضح کی گئی ہے کہ معاشی سرگرمیاں اور ان سے حاصل ہونے والے مادی فوائد انسان کی زندگی کا منتہاء مقصود نہیں ہے۔ قرآن و سنت کا تمام تر زور اس بات پر ہے کہ دنیاوی زندگی ایک محدود اور چند روزہ زندگی ہے اور اس کے بعد ایک ایسی ابدی زندگی آنے والی ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں، اور انسان کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اپنی دنیوی زندگی کو اس آخرت کی زندگی کے لئے زینہ بنائے، اور وہاں کی بہبود کی فکر کرے۔ لہٰذا

انسان کی اصل کامیابی یہ نہیں ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں چار پیسے زیادہ کمالے، بلکہ اس کی کامیابی یہ ہے کہ وہ آخرت کی ابدی زندگی میں زیادہ سے زیادہ عیش و آرام کا انتظام کرے۔ جس کا راستہ یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے وہ کام کرے، جو اس کے لئے زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہو۔

جب یہ ذہنیت افراد میں پیدا ہوتی ہے تو ان کے معاشی فیصلوں پر اثر انداز ہونے والی چیز صرف یہ نہیں ہوتی کہ کونسی صورت میں ہماری تجوری زیدہ بھرے گی، بلکہ بسا اوقات ان کے معاشی فیصلے اس بنیاد پر بھی ہوتے ہیں کہ کون سے کام میں مجھے آخرت میں زیادہ فائدہ حاصل ہوگا؟ اس طرح بہت سے معاملات میں شریعت نے کوئی وجوبی حکم (Mandatory Order) تو نہیں دیا۔ لیکن کسی خاص بات کے اخروی فضائل بیان فرمائے ہیں۔ جو ایک مومن کے لئے بہت بڑی کشش کا ذریعہ ہیں۔ اور ان کے توسط سے انسان خود اپنے اوپر بہت سی پابندیاں عائد کر لیتا ہے۔ اخلاقی پابندیوں سے میری مراد اسی قسم کی پابندیاں ہیں۔ اس کی ایک سادہ سی مثال یہ ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس سرمایہ کاری کے لئے دو راستے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنا سرمایہ کسی جائز تفریحی مگر تجارتی منصوبے می لگائے، جس میں اسے زیادہ آمدنی کی توقع ہے۔ اور دوسرا یہ کہ دو یہ سرمایہ بے گھر لوگوں کے لئے سستے مکان تعمیر کر کے فروخت کرنے پر صرف کرے۔ جس میں اسے نسبتاً کم منافع کی توقع ہے، تو ایک سکولر ذہنیت کا حامل شخص یقیناً پہلے راستے کو اختیار کرے گا۔ کیونکہ اس میں منافع زیادہ ہے۔ لیکن جس شخص کے دل میں آخرت کی فکر بسی ہوئی ہو، وہ اس کے برعکس یہ سوچے گا کہ اگرچہ رہائشی منصوبہ میں مالی نفع نسبتاً کم ہے، لیکن میں غریب لوگوں کے لئے رہائشی مکان فراہم کر کے اپنے لئے آخرت میں اجر و ثواب زیادہ حاصل کر سکتا ہوں۔ اس لئے مجھے تفریحی منصوبے کے بجائے رہائشی منصوبے کو اختیار کرنا چاہئے۔ یہاں اگرچہ دونوں راستے شرعی اعتبار سے جائز تھے۔ اور ان میں سے کسی پر کوئی ریاستی پابندی بھی عائد نہیں تھی۔ لیکن عقیدۂ آخرت پر مبنی اخلاقی پابندی نے لوگوں کی ضرورت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اس شخص کے دل میں ایک اندرونی رکاوٹ پیدا کر دی۔ جس سے ترجیحات کا بہتر تعین اور وسائل کی بہتر تخصیص عمل میں آئی۔ یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ لیکن اگر واقعتاً اسلام کا عقیدۂ آخرت دل میں پوری طرح جاگزین اور مستحضر ہو تو وہ معاشی فیصلوں کی بہتری میں بہت زبردست کردار ادا کرتا ہے۔

مجھے اس سے انکار نہیں کہ غیر اسلامی معاشروں میں بھی اخلاق کا ایک مقام ہے۔ اور بعض مرتبہ اخلاقی نقطۂ نظر معاشی فیصلوں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ ان اخلاقی تصورات کی پشت پر آخرت کا مضبوط عقیدہ نہیں اس لئے وہ بحیثیت مجموعی معیشت کے اوپر کوئی بہت نمایاں اثرات نہیں چھوڑتا۔ اس کے برخلاف اسلام اپنی تمام تعلیمات کے ساتھ بتمام و کمال نافذ العمل ہو تو اس کی اخلاقی تعلیمات کا اثر معیشت پر بہت نمایاں ہوگا جیسا کہ ماضی میں اس کی بے شمار جیتی جاگتی مثالیں سامنے آچکی ہیں۔ لہٰذا اخلاقی پابندیوں کا یہ عنصر ٹھیٹ اسلامی معیشت کے تناظر میں کسی بھی طرح کوئی کمزور عنصر نہیں، بلکہ اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

معیشت و تجارت میں ریاست کا کردار: اسلامی ریاست کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہئیے کہ معاشرے میں ایسے لوگ مؤثر نہ ہو پائیں جو قوانین اور احکام کو نظر انداز کر کے اپنے ذاتی مفادات کے لئے بازار کے رجحانات کو خراب کر رہے ہوں۔ اسی طرح ریاست عام الناس کو سہولتیں

فراہم کرے گی اور تاجروں اور معیشت سے وابستہ حضرات کو قانونی پالیسی اور انتظامی سہولتوں کے ذریعہ وہ تمام اسباب فراہم کرے گی جو تجارت اور معیشت کی آزادانہ کارکردگی کے لئے ناگزیر ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ معاشی سرگرمی کی نگرانی، ریگولیٹری ترمیم ورک، پیشیوں کی تنظیم اور ضابطہ بندی انفرادی ملکیت کو شریعت کی حدود کے اندر رکھنے کے لئے کنٹرول، احیائے اموات کا مناسب بندوبست اور فرائض کفایہ کے باب میں ذمہ داریوں کی انجام دہی یہ تمام معاملات ریاست کی ذمہ داری میں شامل ہیں۔ ریاست کی ذمہ داریوں کے باب میں فرائض کفایہ کی بہت اہمیت ہے۔ فرائض کفایہ سے مراد وہ فرائض ہیں جو بحیثیت مجموعی پوری امت مسلمہ کے ذمے ہیں اگر امت مسلمہ میں سے کچھ لوگ ان فرائض کو بطریقہ احسن انجام دے رہے ہوں۔ مناسب اور کافی انداز میں ان کی انجام دہی ہو رہی ہو تو پھر عام مسلمان ان ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر کچھ حضرات اس کام کے لئے آگے نہ بڑھیں یا کچھ لوگ آگے بڑھیں لیکن وہ مؤثر اور کافی انداز میں مطلوبہ معیار کے مطابق ان فرائض کو انجام نہ دے پا رہے ہوں تو پھر پوری امت مسلمہ اس کوتاہی کی ذمہ دار اور اس کوتاہی کی حد تک گنہگار ہو گی۔ ریاست کو ایسے ادارے قائم کرنے چاہئیں جو امت مسلمہ کو فرائض کفایہ کی انجام دہی میں مدد دیں اور ان تمام معاملات میں جو فرائض کفایہ کی نوعیت رکھتے ہیں ایک رابطہ کار کا فریضہ انجام دیں۔ ان فرائض کے علاوہ آج کل کے دور جدید میں جس کو اقتصادی کمی کہا جاتا ہے۔ کلی معاشیات یا Macro economics، اس کے تقاضوں کی تکمیل میں ریاست کا کردار بنیادی ہوتا ہے۔ پھر آج کل کے دور میں مالیاتی اور نقدی پالیسی ریاست ہی طے کرتی ہے چونکہ آج کل سارا دارومدار زر اعتباری یا کاغذی سکہ پر ہو گای ہے اور زر اعتباری جاری کرتا ہے اس لئے ریات کو ہی طے کرنا پڑتا ہے کہ اس کی زری پالیسی کیا ہو گی۔ مالیات کے بارے میں اس کا نقطہ نظر کیا ہو گا۔ کسی طرح اور کس انداز سے وہ اس پالیسی کو چلائے گی۔ کب اور کتنا زر جاری جاری کرے گی۔ کتنے زر مبادلہ کے ذخائر اپنے پاس رکھے گی۔ ان زر مبادلہ کے ذخائر میں کتنے ہونگے جو اندرون ملک رکھے جائیں گے اور کتنے ہونگے جو سرمایہ کاری نما غرض سے یا دوسرے اہم مقاصد کے لئے بیرون ملک رکھے جائیں گے۔ یہ کام فرد کے کرنے کا نہیں ہے۔ یہ کام صرف ریست کے کرنے کا ہے اور اسکو ریاست ہی کرے گی۔ (15)

شریعت کا اصول میں پہلے عرض کر چکا ہوں (مالا یتم الواجب الا به فهو واجب)(16) جس چیز پر کسی واجب کا دارومدار ہو وہ بھی واجب کہلاتی ہے۔ مشہور حکیم الاسلام اور نامور شافعی فقیہ علامہ عزالدین بن عبدالسلام نے کہا ہے کہ (الوسيلة الى افضل المقاصد أفضل الوسائل والوسليلة الى ارذل المقاصد ارذل الوسائل)(17) جو چیز اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول کے لئے وسیلہ ہو وہ اعلیٰ ترین وسیلہ سمجھی جائے گی اور جو چیز بدترین کے حصول ہو اور ذریعہ ہو وہ بدترین ذریعہ سمجھی جائے گی۔ یوں ذریعہ اور وسیلہ کے احکام وہی ہوں گی جو اس مصد کے ہیں جن کے لئے وہ وسیلہ اختیار کیا گیا ہے۔ اقتصادی کمی کے دوسرے اہداف میں قیمتوں میں استحکام کا معاملہ بھی شامل ہے قیمتوں میں استحکام ریاست کی معاشی ترقی کے لئے ناگزیر ہے۔ حکومتی اخراجات کو کم سے کم کرنا اور ملک میں بے روزگاری کو ختم کرنا بھی اقتصادی کمی کے اہم مقاصد میں شامل ہے۔ ریاست کے اکراجات کم سے کم ہوں یہ بات ہمیشہ سے عایرین معیشت اور مفکرین کا اہم موضوع بحث رہی ہے جہاں تک اقتصادی جذئی کا تعلق ہے وہاں بھی ریاست کی ذمہ داری بالکلیہ ناپید نہیں ہے۔ وہاں ریاست کا کردار

بنیادی طور پر صرف نگرانی اور رہنمائی کا ہے۔ثابت بالخیر کا ہے۔ سرپرستی اور حوصلہ افزائی کا ہے اور سہولت فراہم کرنے والے کا ہے۔
جذوی معاشیات میں بعض معاملات ایسے آجاتے ہیں جن سے ریاست کے ادارے ہی بیشتر اور مؤثر طریقہ سے عہدہ برآ سکتے ہیں۔
اسلامی معاشیات کی بنیاد عدل، وسائل کی منصفانہ تقسیم، ارتکاز دولت کی ممانعت اور حوصلہ شکنی، ذخیرہ اندوزی کی فرصت، شخصی ملکیت کے احترام اور ذرائع پیداوار تک رسائی میں مساوات جیسے اہم تصورات اور اصولوں پر ہے۔انہی بنیادوں پر اسلامی معاشیات کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ یہ وہ تمام معاملات ہیں جو آک کل ریات کی طرف سے قانون سازی کے بھی متقاضی ہیں اور پالیسی سازی کا بھی تقاضا کرتے ہین اور جب تک یہ ریاست مؤثر نگرانی کے ذریعے ان قوانین اور پالیسوں پر عمل درآمد نہ کرائے تو نہ عدل کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں نہ منصفانہ تقسیم کے نتائج حاصل کیئے جا سکتے ہیں نہ ارتکاز دولت کو روکا جا سکتا ہے اور نہ ذخیرہ اندوزی کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔(18) ریاست کی اصل امور بنیادی ذمہ داری کفاف ہے۔ کفاف میں بنیادی اور ناگزیر طور پر تین چیزیں لازماً اور ہر حال شامل ہیں۔ بھوکے تو کھانا کھلانا، بے لباس کو لباس فراہم کرنا۔ بے گھر کو گھر فراہم کرنا۔ روئی، کپڑا، مکان کی فراہمی کفاف ہے اور یہ پوری امت مسلمہ کے ذمہ واجب ہے علی الکفافیہ ہے۔اس واجب کو بافرض کفایہ کو عامۃ الناس کی طرف سے رایست ادا کرے گی اور اس لئے ریاست عامۃ الناس کی وکیل ہے۔ عامۃ الناس مؤکل ہیں ریاست ان کی وکیل ہے اس لئے مؤکل کی طرف سے وکیل اس فریضہ کو توانجام دے گا فقہائے اسلام میں سے بعض حضرات نے یہ لکھا ہے جن میں علامہ ابن حزم کا نام بہت مشہور ہو گیا ہے کہ اگر ریاست اپنے تقاضوں کو پورا نہ کرے یا ریاست ان فرائض کی انجام دہی میں غفلت اور کوتاہی کو اختیار کرے اور معاشرے میں ایسے لوگ موجود ہوں جن کے پاس تن ڈھانپنے کے لئے لباس نہ ہو، سر چھپانے کے لئے چھت نہ ہو تو وہ زبردستی خود باوسیلہ لوگوں سے اپنا حق وصول کر سکتے ہیں۔اسلامی ریاست میں بھی الحمدللہ اس طرح کی نوبت نہیں آئی لیکن اس مثال سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ درجہ لکاف کی فراہمی کو فقہائے اسلام نے عامۃ الناس کے ذمے فرض کفایہ قرار دیا ہے۔(19)
قرآم مجید کی مکی سورتوں کے آغاز سے اس طرح کے اشارے ہیں جیسے (لا یحض علی طعام المسکین)(20) یہ اسی درجہ کفاف کے حصول کو یقینی بنانے کے لئے ہے۔ کفاف کے درجے میں یوں تو روئی، کپڑا، مکان ہے مگر بعض فقہاء نے کفاف اور حاجیات اصلیہ، ان دونوں کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن کریم اور احادیث کی مختلف نصوص سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بنیادی ضروریات تعلیم، علاج، ان وامان ،عدل،انصاف، کی فراہمی اور ایک خاندانی زندگی کے وسائل بھی شامل ہیں۔ یہ سب ضروریات اصلیہ کا درجہ رکھتے ہیں۔اگرچہ کفاف کے بعد ہی ان کا درجہ آتا ہے لیکن محض کفاف پر اکتفا کرنا ممکن نہیں ہے یہ انسان کے مزاج، ترقی ذوق اور تہذیبی اور تمدنی رجحانات کے خلاف ہے انسان کا مزاج تہذیبی اور تمدنی ترقی کرنے اور اپنے معاملات کو بہتر سے بہتر بنانے کا ہے۔(21)

معاشی زندگی کے دو اصل اصول: ہمارے اس مقصد کے لئے معاشی زندگی کے بنیادی مسائل اصل میں دو ہی ہیں (۱) دولت کا حصول (۲) اسکا استعمال اور معاشیات کا یہی عام تصور و تعریف ہماری بحث کی اساس ہو گی کہ وہ نام ہے دولت کے حاصل اور اس کے استعمال کرنے کے انسانی مشاغل یا سرگرمیوں کا)اکنامکس کی یہی سیدھی سادھی تعریف انسائیکلوپیڈیا برٹانکا میں بھی کی گئی ہے، دولت کا لفظ تو اس مفہوم میں

اردو میں چل گیا ہے ورنہ عربی اور کتاب و سنت یا تربیت کی اصل اصطلاح مال ہے اور مال کے حصول و استعمال کو کسب و انفاق سے تعبیر کیا گیا ہے اس طرح اسلامی معاشیات کی بھی اہم و اقدم بحث مال کا حصول یا کسب اور اس کا استعمال یا انفاق ٹھہرتی ہے۔(22)

مقصود بنائے بغیر مقصود حاصل: موقع پا کر پھرے ہوءے دل کی اس تھوڑی سی بھڑاس نکالنے کا مدعا اتنا ہے کہ خدا و آخرت پر بُرا بھلا ایمان رکھنے ولے ہم مسلمان اپنی انفرادی و اجتماعی و سیاسی و معاشی زندگی کو مقصود بالذات سمجھنے سمجھانے کے بجائے خدارا ذرا اس کو آخرت کے تابع و ماتحت کر کے تجربہ کر دیکھیں کہ یہ مقصود بھی مقصود بنائے بغیر کس خوش اسلوبی و خوبی سے آخرت ہی کے طفیل میں نصیب ہو جاتا ہے۔ اجتماعی سیاست اور معیشت کا انقلاب تو کسی فرد واحد کے قبضہ و اختیار کی بات نہیں لیکن انفرادی طور پر جس کا جی چاہے ذرا ہمت کر کے خود اپنی ہی معاش کو اختیر پھر معاد کے تابع بنا کر دیکھ لے کہ زندگی کے جس سکھ چین کی تلاش میں ہم در در شرط یہی ہے کہ لونڈی کو لونڈی ہی بنائے رکھے ورنہ جہان ڈھیل دی سر چڑھ جائے گی۔ایک نہیں کئی کئی زندگیوں میں خود اس سگِ دنیا راقم کو اللہ تعالیٰ نے گھر باہر کھلی آنکھوں مشاہدہ کرادیا کہ بیوی کے جھوٹے بڑے نئے پرانے لیڈروں سے خصوصاً اپنی انفرادی زندگی میں اس تجربہ کی درخواست ہے کہا گر ان کے دل میں یہ حقیقت اتر جائے تو ہماری معاشی و سیادی ساری اجتماعی دعوتوں کا بھی فیصلہ درست ہو جائے۔(23)

اسلامی و غیر اسلامی معاشیات کا تضاد: دین اور لادینی معاشیات کے اس بنیادی تخائرف و نفاذ کی بناء پر اصول ہی میں نہیں بہت سے تفصیلی مسائل و مباحث میں بھی ان دونوں کو ملانے اور جوڑنے کی کوشش اکثر انمل اور بے جوڑ چیزوں کو ملانے اور جوڑنے کی بن جاتی ہے جس سے اسلامی معاشیات کی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھانے سے زیادہ ان میں طرح طرح کی غلطیاں اور غلط فہیاں پیدا کر دی جاتی ہیں۔ حتی کہ جو لوگ جدید اشتراکی یا سرمایہ درانہ معاشیات کی تردید اور اس کے مقابلہ میں اسلامی معاشیات کے تفوق و برتری کا اثبات کرتے ہیں ان کی بحثوں اور کتابوں سے بھی معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جس طرح محض اسی دنیا کے معاشی مسائل و مشکلات کو حل کرنے کے لئے نئے نئے نظریات پیش کئے ہیں اسی طرح اس دنای کی معاشی کھیتوں کو سلجھانے کا ان سے بہتر ایک پرانا نظریہ و نظام اسلامی معاشیات کا بھی ہے۔(24)

رہبانیت و مادیت کے درمیان راہ اعتدال: ایک طرف ''رہبانیت''یعنی ترک دنیا ہے۔ جسے بہت سے مذاہبِ عالم میں زہد تقویٰ کا معیار قرار دے دیا گیا ہے تاکہ تجارت وصعنت اور معاشی سرگرمیوں کے ساتھ کوئی شخص نہ ''دین دار'' ہو سکتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔دوسری طرف ''مادیت'' ہے یعنی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ لینا اور حصول دنیا کے لئے کسی قانون و حکم کی پابندی نہ کرنا۔بلکہ اشیا پسندی میں آخرت کا اور حلال و حرام کا کوئی تصور ہی نہیں وہاں۔ معاشیات کے حوالے سے بھی ''مادّیت'' کا حاصل یہ ہے کہ معاش ہی انسان کا اصل بنیادی مسئلہ ،اور معاشی ترقی ہی اس کی ترقی کا منتہائے مقصود ہے۔ بر خلاف اسلام کی فطری تعلیمات کے کہ اس میں دین اور دنیا کو اس اعتدال و توازن کے ساتھ جمع کیا گیا ہے کہ ان پر عمل کرتے ہوئے انسان دین اور دنیا دونوں میں ترقی کے منازل طے کر سکتا ہے، چنانچہ اسلام ''رہبانیت'' کا بھی مخالف اور ''مادیت'' کا بھی۔ وہ ایک طرف تو رہبانیت کے بر خلاف انسان کے معاشی کار گزاریوں کو جائز، پسندیدہ، بلکہ ایک حد تک واجب قرار دیتا ہے، دوسری طرف ''مادیات'' کے بر عکس یہ حقیقت بھی پوری اہمیت کے ساتھ واضح کرتا ہے کہ معاشی

سر گرمیاں تجارت وصنعت اور مزدوری وملازمت وغیرہ ضروری اور ناگزیر سہی لیکن وہ انسان کی زندگی کا اصل مقصد نہیں، بلکہ راستے کے مراحل ہیں۔ اصل مقصد بلندیٔ کردار ہے جس کے نتیجے میں آخرت کی مسرتوں سے بھرپور دائمی زندگی جنت میں ملنے والی ہے۔ انسان کا اصل مسئلہ اور اس کی زندگی کا بنیادی مقصد اسی منزل کو حاصل کرنا ہے لیکن چونکہ اس منزل کو دنیا کی شاہراہ سے گزرے بغیر حاصل نہیں کر سکتا، اس لئے وہ تمام چیزیں بھی انسان کے لئے جائز، پسندیدہ ہو جاتی ہیں جو اس کی دنیاوی زندگی کے لئے ناگزیر یا مفید ہوتی ہیں۔

چنانچہ دنیا کا مال ودولت ساز وسمان اور جائداد انسان کی اصل منزل کے لئے زادِ راہ کا کام دیتا ہے اس کو قرآن حکیم نے (فَضْلَ اللہ) اللہ کا رزق (زِیْنَۃَ اللہ) اللہ کی دی ہوئی زینت اور (سَکَنٌ) سکون واطمنان کی جگہ " جسے احترامی القاب دیے ہیں۔ اور دنیا کے جس مال ودولت اور ساز و سامان میں انسان ایسا اُلجھ کر رہ جاتے کہ ان پر اپنی منزل مقصود ہی کو قربان کر ڈالے یا اس کے راستے میں رکاوٹ بنادے، تو ایسے وساءلِ معاش کو قرآنِ حکیم، مَتَاعُ العرور(دھوکے کا سمان) اور فِتْنَۃ قرار دیا۔ (25)

اسلامی معاشیات کا مستقبل: یہ اقدامات جو اسلامی معیشت کے نفاذ کے لئے کیئے جانے چاہیئں ان کو دو بڑے عنوانات کے تحت تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے ایک عنوان کے بارے میں مختصر اشارہ کروں گا جبکہ دوسرے عنوان پر تفصیل سے گزارشات پیش کروں گا۔ پہلا عنوان وہ انتظامی بیر اور تجرباتی معاملات ہیں جن کا تعلق کسی ہی ملک میں معاشی ترقی اور اقتصادی ترقی کے انتظامی اور تدبیری معاملات سے ہے۔ (26) پہلی بات یہ یاد رکھنی چاہیے کہ شریعت نے جن معاملات میں آزاد ز چھوڑا ہے اور جن معاملات میں انسان اپنے نتائج اور مشاہدات کی وجہ سے صحیح نتائج پر پہنچ سکتے ہیں وہاں دوسرے انسانوں کے تجربات سے فائدہ اٹھانا ناگزیر ہے۔ اسلامی شریت کا بنیادی اصول اور کارفرما تصور جس سے ہر مسلامن واقف ہے وہ یہ ہے کہ حکمت اور دانائی کی بات مسلمان کی گمشدہ پونجی ہے جہاں بھی ملے مسلمان کو چاہے کہ اسکو حاصل کرے اس لئے معاشی تجربات کے باب میں دورِ جدید کے تمام قدیم وجدید اور مشرقی اور مغربی تجربات سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔

فقہائے اسلام نے اسی بات کو ایک خالص قانونی اصول کی زبان میں بیان کیا ہے کہ (**الاصل فی المعاملات الاباحۃ**)(27) کہ معاملات میں اصل یہ ہے کہ وہ جائز اسی الا یہ کہ شریعت نے معاملے کو صراحۃً اصولاً ناجائز قرار دیا ہو۔ دوسرا عنوان جن پر تفصیل سے گفتگو کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ اسلامی معاشیات کے نام سے فن جو پچھلے سو سال کے عرصے میں وجود میں آیا ہے ابھی اس فن یا اس علم کو مذید ترقی اور وسعت دینے کی ضرورت ہے۔ اس خود کار علمی کاوش کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ بعض اہل علم اپنے کو اس کے لئے وقف کریں اور کچھ تحقیق ادارے اور تعلیم وتدریس کے مراکز اس کے النیماح کریں کہ اسلامی معاشیات کے ان پہلوؤں کو بھی خصوصی توجہ اور تحقیق کا موضوع قرار دیا جائے جن کی سردست بازار میں تجارت میں مانگ نہیں ہے۔ جس چیز کی مانگ ہو اس کی رسد خود بخود پیدا ہوتی ہے لیکن بہت سے معاملات ایسے ہیں کہ ابھی ان کی عملی طلب نہیں ہے لیکن نظری اور فکری، عملی اعتبار سے مسلمانوں کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ایسے معاملات پر بھی شریعت کے مؤفق، فقہائے اسلام کی تحقیقات اور اءمہ اسلام کے اختیارات کو آج کی زبان میں معاشیات کے اسلوب اور معاشیات کی اصطلاحات میں بیان کیا جائے۔ (28)

اسلام کے اس معاشری نظام کی تدوین و تشکیل اور تعمیل و تنفیذ کی کچھ لازمی شرائط ہیں جب تک وہ پوری نہ ہو گی یہ نظام وجود میں نہیں آئے گا۔ سب سے پہلی شرط فکری آزادی کی ہے۔(29)

نظام تعلیم کی تشکیل نو کے ساتھ اسلامی معاشیات کے لئے مطلوبہ ماہرین کی تیاری ناگزیر ہے۔ ماہرین کی تیاری کے لئے طویل المیعاد منصوبہ بندی بھی درکار ہے جو نظام تعلیم کی تشکیل نو ہی کا ایک حصہ ہو گی۔(30)

ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان تمام کوششون کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرے جو ملک میں اسلامی معیشت کے سلسلے میں کی جارہی ہیں۔ علامہ اقبال نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مستقبل کی تشکیل کے لئے تعمیر فکر ضروری ہے اور تعمیر فکر کے لئے تطہیر ضروری ہے۔(31)

ایک زندہ تہذیب اور زندہ معاشرے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے بنیادی قوانین اس کے تصورات، اور اس کے پیراڈائم کو ایک زندہ اور متحرک نظام کی حیثیت سے مرتب کیا جاتے۔ جدید معاشی حقائق اور وسائل سے جب تک اسلامی معیشت کے احکام کو وابستہ نہیں کیا جائے گا یعنی Relate نہیں کیا جاءے گا اس وقت تک اسلامی معیشت تو ایک زندہ اور متحرک نظام کے طور پر پیش کیا جانا مشکل ہو گا۔(32)

اسلامی معیشت کی مکمل تشکیل اور تدوین کے لئے اور اس کے خود مختار وجود کو یقینی بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی معیشت کے ایسے ایسے وسائل اور آلات ہو جن سے کام لے کر اسلامی معاشیات کے احکام کی تطبیق بھی کی جاسکے۔(33)

یہ کام اسی وقت ہو سکتا ہے جب ایسے اہل علم موجود ہوں جو اس پورے کام کی اہلیت رکھتے ہوں۔ میں پھر یاد دلاؤں گا نظام تعلیم کی تشکیل نو کی اہم اور بنیادی بات جو اس پورے عمل کے لئے پہلے قدم کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب تک ایسے لوگ موجود نہیں ہوں گے جو فقہ اسلامی کے ذخائر پر مجتہدانہ نظر رکھتے ہوں اور مغرب کے معاشی تصورات سے ناقدانہ طور پر واقف ہوں اس وقت تک یہ سارا کام منتظر تکمیل رہے گا۔(34)

شریعت کا ایک بنایدی حکم ہے جو متعدد بار احادیث میں بیان ہوا ہے۔ ''من احیار رصاصینة فھی له'' جو شخص کسی غیر مملوکہ اور غیر آباد زمین کو آباد کرے وہ اس کی ہو جاتی ہے۔ اگر حکومت پاکستان اس اصول کے تحت ایک باہمی اختیار رکے اور ایک ایسا ادارہ قائم کردے جو ایک پانچ سالہ، ۱۰ سالہ، ۲۰ سالہ منصوبے کے تحت پاکستان میں غیر آباد سرکاری زمینوں کو مقت اور ضرورت مند کسانوں میں تقسیم کردے۔ پانی فراہم کرتے ہیں حکومت مدد دے۔ جہاں ضروری ہو وہاں قرضہ دے۔ جہاں قرضہ نہ دے سکتی ہو وہاں زکوٰۃ کی رقم سے وسائل عطاء کیئے جائیں تو بہت جلد پاکستان میں زرعی انقلاب لایا جاسکتا ہے۔ نئی بستیاں آباد کی جاسکتی ہیں۔ اس کے ساتھ بڑی بڑی زمینداریوں میں غیر آباد زمین بڑی ہے وہ واپس لے لی جائے اسلامی معیشت و تجارت کی پیش قدمی کے معیارات کیا ہیں؟ یعنی پیش قدمی کیا ہیں؟ میرے خیال میں وہ یہ درج ذیل ہیں۔

(۱) دولت کی وسیع تر تقسیم (۲) چھوٹی اور گھریلو صنعتوں کا زیادہ سے زیادہ فروغ (۳) مشارکہ اور مضاربہ اور ان کے تصور پر مبنی شئے طریقوں کا زیادہ سے زیادہ رواج (۴) بیع مرابحہ اور تورق جیسے طریقوں کا کم سے کم استعمال (۵) تجارت میں توسیع (۶) صنعتی ترقی میں مسلسل اور

نمایاں اضافہ (۷(معاشرے کے نادر طبقات کو استفادے کے مواقع کی زیادہ سے زیادہ فراہمی (۸) سودی معیشت میں لگی ہوئی رقم کی نیت میں کمی کا واضح رجحان (۹) اسلامی معیشت میں لگائے جانے والے سرمایہ نمایاں اضافہ کا رجحان (۱۰) ارتکاز دولت میں کمی کا نمایاں رجحان۔ یعنی سودی کاروبار میں جتنی کمی واقع ہوگی یعنی ایک سال دس فیصد کمی، ۲۰ سال میں ۲۰ فیصد، اسی طرح کرتے ہونے سے کامیابی کا ایک نشان اور معیار سمجھی جائے گی۔

اسلامی معیشت ار تجارت کے لئے جہاں اداروں، سرمایہ کاروں اور کاروباری حضرات کے لئے تربیتی اور توجیہی پروگرام درکار ہیں وہاں توجو ان علماء کے لئے بھی بینکاری کے خصوصی کورسز ہونے چاہئیں۔(35)

معاشرتی کامیابی کیا ہے؟: مغرب میں اس کا تصور اور ہے اسلامی شریعت کے اندر اسکا تصور اور ہے۔ انسان کی غاین الغایات کیا ہے؟ کیا اس کا مقصد وجود یہ ہے کہ وہ کمانے والی مشن بن کر رہ جائے یا اس کی تماہت الغایات شیٔ اور چیز کا حصول ہے اور ماری وسائل کے لئے محض وسیلے اور ذریعہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلام کی نظر میں کسب مال فی نفسہ یعنی اپنی ذات میں کوئی فقلت نہیں؟، یہ وسائل کے حصول کا ایک ذریعہ اور یہ وسائل کی اور بڑے بازار اخلاقی، انسانی اور روحانی مقصد کے لئے اسعتمال کرنے کے لئے ہیں۔ یہی کیفیت کامیابی اور ترقی کے تصورات کی ہے، دولت، ترقی، معاشی کامیابی، ان سب عنوانات کے تحت جب اسلامی مندرجات شامل کیئے جائیں گے تو ان سب اصطلاحات کا ایک نیا مفہوم متعین ہو گیا اور اس نئے مضموم کو سامنے رکھ کر اسلامی معیشت تو ایک نئے انداز سے مرتب کرنے میں مدد اور رہنماءی ملے گی۔(36)

حوالہ جات

(1)"معاشیات" حصہ اول از پروفیسر محمد منظور علی (جولائی، ۱۹۸۲ء): ص ۱۷

(2) Wikipedia "https://ur.wikipedia.org/wiki/"

(3)"تاریخ معاشیات" از ڈاکٹر کیلس انگرام (جامعہ عثمانیہ، دکن): ص ۳۴، ۴۰

(4)"یورپ کے تین معاشی نظام" از مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب: ص ۱۳، ۱۴

(5)"یورپ کے تین معاشی نظام" از مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب: ص ۲۸، ۲۹، ۳۰

(6)"یورپ کے تین معاشی نظام" از مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب: ص ۲۸، ۲۹، ۳۰

(7)"یورپ کے تین معاشی نظام" از مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب: ص ۳۱

(8)"یورپ کے تین معاشی نظام" از مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب: ص ۳۷

(9)"یورپ کے تین معاشی نظام" از مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب: ص ۴۵

(10)الزخرف: ۳۲

(11)السنن الصغیر للبیهقي: رقم الحدیث 1541

(12)السنن الکبری للبیهقي: رقم الحدیث 11474

(13)السنن الکبری للبیهقي: رقم الحدیث 11476

[14]النساء: ٥٩

[15]ماخوذ از محاضرات معیشت و تجارت خطبہ "معیشت و تجارت میں ریاست کا کردار" از ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: ص ۱۶۰-۱۶۶

[16]فتح الباري شرح صحيح البخاري, أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي, 130/2

[17]تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي, أبو العلا محمد عبد الرحمن بن عبد الرحيم المباركفورى (المتوفى: 1353هـ): 27/10

[18]ماخوذ از محاضرات معیشت و تجارت خطبہ "معیشت و تجارت میں ریاست کا کردار" از ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: ص ۱۶۷-۱۷۱

[19]ماخوذ از محاضرات معیشت و تجارت خطبہ "معیشت و تجارت میں ریاست کا کردار" از ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: ص ۱۶۸-۱۸۰

[20]سورة الحاقة: 34

[21]ماخوذ از محاضرات معیشت و تجارت خطبہ "معیشت و تجارت میں ریاست کا کردار" از ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: ص ۱۸۳

[22]"معاشیات کا اسلامی فلسہ" از مولانا عبد الباری ندوی: ص ۸۰

[23]"معاشیات کا اسلامی فلسہ" از مولانا عبد الباری ندوی: ص ۷۷، ۷۸

[24]"معاشیات کا اسلامی فلسہ" از مولانا عبد الباری ندوی: ص 120

[25]"اسلامی معیشت کی خصوصیات اور صنعتی تعلقات" از مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب: ص ۲۳-۳۳

[26]ماخوذ از محاضرات معیشت و تجارت خطبہ "اسلامی معیشت کا مستقبل" از ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: ص 449

[27])الأشباه والنظائر للسيوطي: ص 60

[28]ماخوذ از محاضرات معیشت و تجارت خطبہ "اسلامی معیشت کا مستقبل" از ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: ص 430، 431

[29]ماخوذ از محاضرات معیشت و تجارت خطبہ "اسلامی معیشت کا مستقبل" از ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: ص 435

[30]ماخوذ از محاضرات معیشت و تجارت خطبہ "اسلامی معیشت کا مستقبل" از ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: ص 436

[31]ماخوذ از محاضرات معیشت و تجارت خطبہ "اسلامی معیشت کا مستقبل" از ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: ص 437

[32]ماخوذ از محاضرات معیشت و تجارت خطبہ "اسلامی معیشت کا مستقبل" از ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: ص 439

[33]ماخوذ از محاضرات معیشت و تجارت خطبہ "اسلامی معیشت کا مستقبل" از ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: ص 440

[34]ماخوذ از محاضرات معیشت و تجارت خطبہ "اسلامی معیشت کا مستقبل" از ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: ص 441

[35]ماخوذ از محاضرات معیشت و تجارت خطبہ "اسلامی معیشت کا مستقبل" از ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: ص 453

[36]ماخوذ از محاضرات معیشت و تجارت خطبہ "اسلامی معیشت کا مستقبل" از ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: ص 450—459

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.